مرثیہ درحال حضرت علی اکبرؑ

(بند ۱۱۲)

سلطان الشعراء مولانا سید محمد کاظم جاویدؔ اجتہادی

(۱)

ہاں زباں پھر سے گہر ریز، دہن ہو میرا
آج پھر طرۂ دستار، سخن ہو میرا
بوئے گل ہوں کسی گلشن میں وطن ہو میرا
اڑ سکے رنگ نہ جس کا وہ چمن ہو میرا
(اس سے دورے) کی ہوا کو بھی نہ تاب آئے گی
سانس لینے میں بھی خوشبوئے گلاب آئے گی

(۲)

لائقِ سیرِ احبّا ہے یہ گلشن میرا
رنگ اڑانے لگا آخر گلِ سوسن میرا
گرد ہیں پھول تو ہے بیچ میں مسکن میرا
کھلتی کلیوں سے بسا جاتا ہے دامن میرا
ایسی خوشبو کا جو باطن میں اثر ہو جائے
وہی عارض کا پسینہ گلِ تر ہو جائے

(۳)

اس زمانے میں نہیں مرثیہ گوئی کا مزا
جب توجہ نہیں لوگوں کو تو اچھا ہے برا
دل سے سنتا ہوں اسے بھی جو نیا ہے چرچا
تفرقہ یہ ہے کہ ہیں قلب کے ٹکڑے بھی جدا
سیکھ کر مجھ سے یہ فن صاحبِ ایجاد بنے
چار دن جن کو بتایا وہی استاد بنے

(۴)

اک تو آفات سے اب ہوش نہیں میرے بجا
دوسرے لے گئی احباب کو چن چن کے قضا
تیسرے یہ کہ جو اچھے ہیں وہ کہتے ہیں برا
چوتھے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت ہیں خفا
مرثیہ سست ہے یہ سن لیا چرچا میں نے
اپنی تقدیر کا لکھا ہے جو لکھا میں نے

(۵)

جو کہ منصف ہیں کہیں گے یہ ہے عذرِ بیجا
سارے احباب کی توضیح نہیں ہے زیبا
ڈھونڈھنے سے بھی نیا کوئی نہ مضمون ملا
یا یہ ہے ذہن کی یا میرے مقدر کی خطا
جودتِ طبع کو اب مجھ سے جدا بھی تو کہے
خیر اچھا کہا جس نے، وہ برا بھی تو کہے

(۶)

آبلے سینے میں ہیں چند نہاں، چند عیاں
نہیں معلوم کہ اب آج ہیں وہ لوگ کہاں
ایسے ہم عصر ہوئے خاک کے پردے میں نہاں
ڈھونڈھنے کو جنہیں آنسو ہوئے آنکھوں سے رواں
مضطرب ہوتا تھا دل جب کبھی کم ملتے تھے
دفن وہ ہوتے تھے اور خاک میں ہم ملتے تھے

(۷)

اِس کا کیا ذکر ہے دنیا کا یہی ہے معمول
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ ہے عالم کا اصول
آرزوؤں کا چمن لٹنے سے ہے طبع ملول
جب فشار ان پہ ہوا قبر پہ مرجھا گئے پھول
ہم ہی ویرانوں میں لے کر دلِ ناشاد آئے
چادرِ قبر کو دیکھا تو وہ گُل یاد آئے

(۸)

اس تلاطم پہ نہ کیوں حشر کا سب کو ہو گماں
تفرقہ یہ ہے، کہ ہے جسم کہیں، اور کہیں جاں
بھول کر اک نے عدم کا نہ کیا حال بیاں
مرنے والوں کے دہن میں نہیں گویا ہے زباں
حالِ بیمار، روانی میں نیا کہہ جاؤں
نبض ٹھیری تھی کہ دنیا میں میں ہی رہ جاؤں

(۹)

جن کو مل جاتا ہے رونے کا محل روتے ہیں
دہشتِ حشر سے سب نیک عمل ہوتے ہیں
جن کو رلواتی ہے آ آ کے اجل، روتے ہیں
ایک کو آج ،تو سب ایک کو کل روتے ہیں
دل لہو ہوتا ہے سب کا شہِؑ بے پر کے لئے
آپ اک روز میں روئے تھے بہترؑ کے لئے

(۱۰)

اس زمانے میں نہیں قلب کو راحت ممکن
دن کٹے جاتے ہیں ایسے کہ گھٹے جاتے ہیں سن
دہشتِ مرگ ہے ہر ایک کو، ہو انس کہ جن
سچ تو ہے قبر کی راتوں سے بھی بدتر ہیں یہ دن
شب کو ملتی نہیں تو وقت سحر ملتی ہے
مرنے والوں کو ابھی قبر مگر ملتی ہے

(۱۱)

آ گیا یاں پہ مجھے اور بھی بیکس کا خیال
کون؟ وہ لاش بھی جس کی ہوئی رن میں پامال
جس کی میت کو بھی عریان کیا بعدِ زوال
شام تک جس کے یگانے گئے کھولے ہوئے بال
جو کہ انجام ہے انسان کا معلوم ہے وہ
قبر تک جس سے کنارہ کرے مظلوم ہے وہ

(۱۲)

صبح عاشور سے اک حشر تھا روتے تھے امامؑ
بال کھولے ہوئے مضطر تھے حرمؑ شہؑ کے تمام
حشر مقتل میں تھا، خیمے میں بپا تھا کہرام
صفحۂ دہر سے مٹنے لگے جراروں کے نام
جس طرح چاہئے تھا جانِ حزیں کھو نہ سکے
شاہِؑ دیں اپنے یگانوں کے لئے رو نہ سکے

(۱۳)

گود میں جو کہ پلے تھے وہ جدا ہونے لگے
بھانجوں کے لئے شہؑ سب سے سوا رونے لگے
حد کے صابر تھے مگر اشکوں سے منہ دھونے لگے
غمِ نوشاہؑ میں پھر جانِ حزیں کھونے لگے
جو چلی دل پہ وہ صمصامِ اجل تھی گویا
بھائی کی موت تو پیغامِ اجل تھی گویا

(۱۴)

اب کوئی پاس نہیں ہے علی اکبرؑ کے سوا
دیکھتے ہیں عجب انداز سے روئے آقا
نہ تو ہے عرض کی جرأت نہ تحمل کی ہے جا
کبھی یہ سوچ کہ یہ آج کے دن ہو گیا کیا
جبر سے آتا ہے لب تک جو نفس آتا ہے
ضبطِ فریاد سے دم اور بھی گھبراتا ہے

(۱۵)

عرض کرتے ہیں کہ بابا مجھ رخصت دیجے
منحصر مرگ پہ جو ہے وہی عزت دیجے
ہوں فدا آپ پہ مرنے کی اجازت دیجے
جان کو دے کے جو ملتی ہے وہ راحت دیجے
بیکسی آپ کی کب دیکھنے کے قابل ہے
کشمکش غم کی ہے ایسی کہ پریشاں دل ہے

(۱۶)

دیجئے اب مجھے رخصت کہ بنے کام مرا
آج فردِ شہداء میں نہیں کیانام مرا
لے خبر جلد، اجل سے ہے یہ پیغام مرا
واہ آغاز تو وہ ، اور یہ انجام مرا
عصر تک رہ گیا باقی تو گذر جاؤں گا
ذبح ہوتے ہوئے دیکھوں گا تو مرجاؤں گا

(۱۷)

دیکھ کر سوئے فلک کہنے لگے شاہِؑ زماں
علی اکبرؑ مرے مرنے کے ہیں سب یہ ساماں
ہم کو اس ہجر سے ہے موت کی سختی آساں
کیاکرے پیر جو دم توڑے کوئی تازہ جواں
دل تصور سے لہو اب ہے یہ ایسا غم ہے
علی اکبرؑ مرے مرجانے میں عرصہ کم ہے

(۱۸)

گھر میں تم صبح سے کے بار گئے ہو اکبرؑ
پالنے والوں کی محنت پہ نہ کی تم نے نظر
ایک جانے میں تمہارے، کئی جانوں کا ہے ڈر
تم سے بڑھ کر ہے مجھے حال کی زینبؑ کے خبر
اس میں کیا شک ہے غم اس کا ہے،قلق اس کا ہے
جس نے اٹھارہ برس پالا ہے حق اس کا ہے

(۱۹)

کہا ہاں رخصتِ میداں مجھے مل جائے اگر
اِذن پھر جنگ کا لوں ان سے بھی گھر میں جاکر
جوہو ارشاد امامؑ اس میں بھی کچھ ہوگا اثر
آپ بھی گھر میں چلیں گر تو ہے سب سے بہتر
ولولہ خاک ہوا جنگ کا وہ دل نہ رہا
گھر میں تنہا بھی تو جانے کے میں قابل نہ رہا

(۲۰)

کہا شبیرؑ نے ہر طرح ہے بیکس مجبور
اذن لو ساتھ مرے ماں سے بھی یہ کیا ہے ضرور
آئی فضہؑ کی یہ آواز کہ خیمہ تھا نہ دور
بنتِ زہراؑ علی اکبرؑ کو بلاتی ہیں حضور
یہ چلے یوں نہیں، اس حسن سے رخصت لے لی
شہؑ کے قدموں پہ گرے، گر کے اجازت لے لی

(۲۱)

تا بہ لب قلب وجگر سینہ سے کھنچ کر آئے
اشک آنکھوں میں نہ مظلوم کی کیوں بھر آئے
آئے گھر میں تو عجب حال سے اکبرؑ آئے
سب سے پہلے یہ سوئے بانوئے بے پر آئے
صفحۂ دہر سے یہ شکل بھی مٹ جائے گی
ابھی آپ آئے ہیں کچھ دیر میں لاش آئے گی

(۲۲)

کہا بانو سے مجھے عرض کا مقدور نہیں
آپ چاہیں تو جناں میرے لئے دور نہیں
شہؑ والا سا کوئی بیکس ومجبور نہیں
اذن دے دیجئے لڑنے کا کہ (معذور) نہیں
خونِ عمو کا عوض لوں گا ستم گاروں سے
کٹ گئی عمر مری کھیل کے تلواروں سے

(۲۳)

منہ کو آتا ہے کلیجہ مرا ہر آہ کے ساتھ
عمر کٹ جائے گی مقتل کی ابھی راہ کے ساتھ
عشق ہے مجھ کو بھی ابن اسداللہ کے ساتھ
خیر مرنے کے لئے جاؤں گا اب شاہؑ کے ساتھ
کیا ہَوا صبح سے عالم میں بُری چلتی ہے
بوئے خوں آتی ہے جب دل پہ چھری چلتی ہے

(۲۴)

جس میں راحت بھی ہوں انسان کی وہ دور نہیں
تیوروں کے جو سحر سے تھے وہ اب طور نہیں
دیجئے ہم کو اجازت یہ دمِ غور نہیں
اسداللہ کے پوتے ہیں کوئی اور نہیں
ورقِ فوج کو دم بھر میں الٹ کر آئیں
کہا یہ بھی تو کہو، پھر نہ پلٹ کر آئیں

(۲۵)

حشر تک سب کو رلائے گا بچھڑنے کا قلق
لاکھ دو لاکھ جگہ سے ہوا دل سینہ میں شق
دیکھو ان چہروں کو جو ہجر کے صدموں سے ہیں فق
پالنے والوں کا شاید مری جاں کچھ نہیں حق
جان دے دی ہے کسی یوسفِ ثانی کے لئے
منتیں مانی ہیں مادر نے جوانی کے لئے

(۲۶)

میرے مرنے میں ترے جانے میں اب کچھ نہیں دیر
سامنے آ گیا آخر وہی تقدیر کا پھیر
کہیں دو لاکھ سے رکتے ہیں یداللہ کے شیر
پالنے والوں کی آنکھوں میں ہے دنیا اندھیر
ڈر ہے، مخفی ہیں جو زینبؑ پہ، نہ وہ حال کھلیں
کہیں ایسا نہ ہو، سیدانیوں کے بال کھلیں

(۲۷)

ہائے افسوس، نشاں اب ہے، نہ لشکر، نہ سپاہ
بوئے خوں آتی ہے، کھنچتی ہے کلیجے سے جو آہ
یہ جواں وہ ہے، کہ جس کا نہ ہوا تھا ابھی بیاہ
شہؑ کے سب گھر کی اگر ہے تو انہیں پر ہے نگاہ
منزلِ غم بنیں سب درد کی راہیں مل کر
باندھیں سہرے کو بھی حسرت کی نگاہیں مل کر

(۲۸)

بین سے بیبیوں کے، ہلتی تھی خیمے کی زمیں
اضطرابِ دلِ مضطر سے یہ تڑپے نہ کہیں
آئے کچھ سوچ کے گہوارۂ اصغرؑ کے قریں
خشک ہونٹ اور ہوئے، چومی جو پیاسے کی جبیں
کہا مضطر ہو بہت اے مرے پیارے، سمجھا
صاف ان نرگسی آنکھوں کے اشارے سمجھا

(۲۹)

کہا زینبؑ سے ادھر آ کے ذرا دیکھئے حال
چھوٹے بھائی کی مجھے پیاس کا صدمہ ہے کمال
مجھ کو یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو مر جائے یہ لال
اب تو عمو بھی نہیں، جن کو ہو بچوں کا خیال
امتحاں میں ہو اگر دیر تو گھبرائیں گے
میں نہ جاؤں گا تو حضرت انہیں لے جائیں گے

(۳۰)

آسماں ایسی مصیبت نہ کسی پر ڈالے
زخم میرے جگر و دل کے ہوئے ہیں آلے
جس کا میں تھا اسی گودی کے ہیں یہ بھی پالے
کہا زینبؑ نے کہ دونوں نہیں بچنے والے
چین ممکن نہیں زہراؑ کے دل و جاں کے لئے
ایک برچھی کے لئے ایک ہے پیکاں کے لئے

(۳۱)

کہا بہتر ہے، نہ جائے گا، نہ جائے گا غلام
یوں ہی مرجاؤں گا ہوں گے علی اصغرؑ جو تمام
دیکھ سکتا نہیں خادم ستمِ لشکرِ شام
کہا شہؑ دیکھیں گے کس طرح، کہا وہ ہیں امامؑ
مجھکو یہ غم کہ ہو گر شہؑ سے نہ رخصت پہلے
کہا لو ایسے ہی صابر سے اجازت پہلے

(۳۲)

کہا لے آیا غلام ان سے تو پہلے ہی رضا
روکنا شہؑ کے خلاف اب نہیں ماں کو زیبا
سب رگیں کھنچتی ہیں، ہے جوش لہو میں پیدا
کہا زینبؑ نے کہ بہتر ہے، سدھارو بیٹا
اب خدا جانے یہ کیا تھا کہ جو فرما کے گریں
جس جگہ نقش قدم تھے، وہیں تیورا کے گریں

(۳۳)

ہوش جب آیا تو زینبؑ نے یہ فضہؑ سے کہا
مل گئی بانوئے ناشاد سے اکبرؑ کو رضا
ان کی شادی کا تھا ارمان مرے دل کو بڑا
ہائے پورے یہ جواں ہو کے ہوئے ماں سے جدا
سانس جو آتی ہے اک غم کی خبر لاتی ہے
سب جواں مرتے ہیں مجھکو نہیں موت آتی ہے

(۳۴)

علی اکبرؑ نے کہا صبر کا اب ہے ہنگام
مجھکو جانے کی ہے جلدی کہیں ہوجائے نہ شام
جانتا ہوں کہ اجل آنے سے بن جائے گا کام
بھائی عابدؑ ہوں جو ہوشیار تو کہیئے گا سلام
ہوش باقی اگر اس رنج و محن میں ہوں گے
چومیئے گا انہیں جو ہاتھ رسن میں ہوں گے

(۳۵)

راہ درپیش ہے ایسی کہ نہیں جس کا پتا
جسم سے روح جدا، قبر کی ایذائیں جدا
سہل فرمائے ان آفات کو ربّ دوسرا
پھر پھوپھی سے علی اکبرؑ نے یہ منت یہ کہا
دیجئے گا، پئے سلطانِ زمن دیجے گا
اپنی چادر کا مجھے آپ کفن دیجے گا

(۳۶)

کہا انجام کی اے لال نہیں تم کو خبر
عصر کے بعد مرے سر پہ نہ ہوگی چادر
ہاتھ تو ہوں گے پسِ پشت بندھے اے دلبر
لوں گی اس وقت میں لاشے کی بلائیں کیوں کر
قید میں ہائے یہ تفتیدہ جگر جائے گی
تم سدھارو، جو گذرنی ہے گذر جائے گی

(۳۷)

ماں کو تسلیم بجا لا کے چلا یہ مہرو
خبرِ غم دئے جاتے تھے پریشاں گیسو
دل کو تسکین کے ہاتھ آگئے کم کم پہلو
درِ خیمہ کے قریب آئے تو پونچھے آنسو
اس طرف شوق میں سلطانِ اُمم اٹھتے تھے
پردۂ در کی طرح آگے قدم اُٹھتے تھے

(۳۸)

عرض کی خدمتِ سرورؑ میں کہ اے نورِ خدا
مل گئی آپ کے اقبال سے میداں کی رضا
دیر مرنے میں مرے ہو یہ نہیں اب زیبا
شہؑ نے فرمایا کہ کیا زور، سدھارو بیٹا
رک گئی چل کے ہوا تیز نفس آپہنچا
حکم ملتا تھا کہ ڈیوڑھی پہ فرس آپہنچا

(۳۹)

کرکے تسلیم بڑھا سوئے فرس وہ جرار
شوخیوں کو ابھی روکے ہوئے تھا وہ رہوار
رخش پر نامِ علیؑ لکھ کے بصد عزووقار
کس جلالت سے ہوا ضیغمِ دیں آ کے سوار
دل پہ رکھّے ہوئے خود شاہِؑ زمن ہاتھ چلے
رہروِملک عدم وہ تھے تو یہ ساتھ چلے

(۴۰)

قسمتِ شہؑ میں ازل سے تھے یہ سب رنج ومحن
سامنے آنکھوں کے لٹتا تھا وہ آباد چمن
گرد پڑنے سے اٹی جاتی تھی پوشاکِ کہن
جب فرس تیز ہوا تھم گئے سلطانِ زمن
تفرقہ اُن میں ہے دم بھر جونہ باہم بیٹھے
خاک پر دل کو پکڑ کر شہِؑ عالم بیٹھے

(۴۱)

دو قدم چل کے ذرا تھم گیا ان کا رہوار
کہا عمو کے غمِ ہجر سے سینہ ہے فگار
وہ کٹے ہاتھ کدھر ہیں کہ نہیں دل کو قرار
دے دیئے شہؑ نے جو وہ ہاتھ تو چومے کئی بار
آہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی اک بھر کے چلے
اپنی تلوار کو، ان ہاتھوں سے مس کر کے چلے

(۴۲)

فوج میں غل ہوا، ظاہر ہوا اس کا مطلب
دم میں بے دست نظر آئیں گے اس فوج میں سب
غم کے پہلو میں نظر آتے ہیں آثارِ غضب
اُس کا پوتا ہے یہ صفدر، جو ہے قتالِ عرب
جنگ کو دور سے سب شیرِ عریں دیکھتے ہیں
پر سمیٹے ہوئے جبرئیلِ امیں دیکھتے ہیں

(۴۳)

شان کہتی ہے کہ لڑنے میں نہیں ہے کوئی دیر
ایک مدت سے طبیعت ہوئی ہے جینے سے سیر
کھینچ کے اب داخلِ قسمت ہوا ہے راہ کا پھیر
اسداللہ کا پوتا ہے یہ شیروں کا ہے شیر
نعمتِ زیست سے ہر ایک جری تر سے گا
آج تلوار کے پانی سے لہو برسے گا

(۴۴)

کہیں روکے سے بھی رکتی ہے جوانی کی امنگ
جنگِ خیبر میں یہی تھا اسدؑاللہ کا ڈھنگ
مطمئن وہ ہیں کہ چہرہ کا بھی اڑتا نہیں رنگ
بس فقط ان کی جوانی کا ہے ثمرہ یہی جنگ
خاتمہ آج کے دن لشکرِ گمراہ کا ہے
زور ہر رگ میں انہیں کی اسدؑاللہ کا ہے

(۴۵)

جو لڑیں لاکھ سے تنہا وہ غضنفر ہیں یہی
شان کہتی ہے کہ اس عہد کے حیدرؑ ہیں یہی
شیر سے جو نہیں دبتے وہ دلاور ہیں یہی
دیکھو چہرہ کو تو کہہ دو کہ پیمبرؐ ہیں یہی
جس سے منہ مڑتے ہیں لشکر کے یہ وہ دھاریں ہیں
ان کے ہاتھوں کی لکیریں نہیں تلواریں ہیں

(۴۶)

بے لئے جان کے ہرگز نہیں جانے والا
ہے گھٹی قوتوں کا ایک بڑھانے والا
یاعلیؑ کہہ چکا تلوار اٹھانے والا
شیر ہے شیر یہ حیدرؑ کے گھرانے والا
تیغ جب کھینچی ہے، تب سیکڑوں سر کاٹے ہیں
کہا جبرئیلؑ نے، میرے بھی تو پر کاٹے ہیں

(۴۷)

باگ لیتے ہی رواں رخشِ سبک خیز ہوا
رن میں وہ اپنے پسینے سے عرق ریز ہوا
اپنے جامہ سے بھی باہر دمِ مہمیز ہوا
رہ گیا گر کے جوسایہ تو فرس تیز ہوا
حد کی محجوب ہوئی، راہ سے بھی پھرنے لگی
رخش کے پاؤں پہ تیورا کے ہوا گرنے لگی

(۴۸)

رخش ایسا تھا سبک رو کہ نظیر اس کا نہ تھا
جب کوئی نقشِ قدم پھیل گیا، پھول کھلا
دے دیا سُم نے کبھی خون، تو عقدہ یہ کھلا
بند تھے پائے حنائی میں لہو کے دریا
عشق کرنے کو کیا عشق کا دم بھر نہ سکیں
مچھلیاں اپنے گلے کاٹ کے بھی مر نہ سکیں

(۴۹)

برق بیتاب ہو، گر ہو اسے گھوڑے سے فراق
جان سے بڑھ کے سمجھتے ہیں اسے اہلِ عراق
اسی گھوڑے کی جدائی ہوئی حوروں کو بھی شاق
کہیں تعریف سے بڑھ کر ہے یہی رشکِ براق
منزلوں کو نہ کبھی ذہن رسا تک پہنچا
لے کے ہم شکل پیمبرؐ کو خدا تک پہنچا

(۵۰)

رخش بجلی ہے، تڑپ جانے میں، چلنے میں ہے تیر
ذکر گھوڑے کا ہے، کیا شوخ ہے میری (تقریر)
اس کے کاوے سے ہے گردش میں ہر اک کی تقدیر
مضطرب ہوگئی، گر برق نے کھینچی تصویر
دلِ عشاق کو ہاتھوں سے کوئی ملتا ہے
حکمِ فرزندِ پیمبرؐ پہ فرس چلتا ہے

(۵۱)

حسن صدقے ہے وہ اعلیٰ ہے فرس کا انداز
کھلتی کلیوں کی ہنسی کا نہیں بھایا کبھی ناز
چل کے کہتی ہے ہوا، تھم کہیں او تفرقہ ساز
غنچہ و گل کی چٹک ہے کہ قدم کی آواز
اپنی رفتارِ مجازی کا طریقہ بھولے
تر پسینے میں ہوا ہو جو قدم کو چھولے

(۵۲)

راہ میں ہے یہ، نفس کی بھی ہوا سے آگے
اڑتا جاتا ہے قدم کی بھی صدا سے آگے
منزلوں ہے یہ فرس وہمِ رسا سے آگے
تیز ہی جاتا ہے یہ پیکِ صبا سے آگے
آگ جنگل میں لگی جاتی ہے گرمانے سے
اور دم بڑھتا ہے جنگل کی ہوا کھانے سے

(۵۳)

صفِ روبہ پہ فرس اور بھی کچھ تن کے چلا
مطمئن پیچ میں اس قلعۂ آہن کے چلا
کون ایسا تھا کہ جو پاس سے توسن کے چلا
آ گیا تھا جو پسینہ تو ہوا بن کے چلا
قید ہوکر نہ رہا حسرت و ارماں کی طرح
آنکھ میں آ کے، اڑا خواب پریشاں کی طرح

(۵۴)

جیسا بے مثل فرس ویسا ہی بے مثل سوار
مرنے والوں سے کہے کوئی کہ اب ہوں ہشیار
ہے وہی زیبِ کمر دیکھی ہے جس کی رفتار
بچپنے میں جو لگائی تھی علیؑ نے تلوار
جس سے ہے برق بھی بیتاب وہ بادل ہے یہی
ذوالفقارِ شہِ مرداں سے بھی اوّل ہے یہی

(۵۵)

پھول جو چار سپر کے تھے وہی بن گئے داغ
اس نے تاراج کئے آرزوئے قلب کے باغ
دل سوزاں کے جلانے سے کہاں اس کو فراغ
اس کے پرتو سے بجھے شام کے لشکر کے چراغ
اس کے جوہر ہیں نگاہوں میں کھٹکنے والے
یہ وہ تارے ہیں جو دن کو ہیں چمکنے والے

(۵۶)

مبتلا عشق میں سب کا دلِ سودائی ہے
اور میداں کی ہوا کھانے سے اترائی ہے
میان میں پاؤں نہ رکھنے کی جو شیدائی ہے
اس نے اکبرؑ کی جوانی کی قسم کھائی ہے
صاف و شفاف بہت سینہ بے کینہ تھا
یہ بھی حسنِ علی اکبرؑ کو اک آئینہ تھا

(۵۷)

اسی تلوار کی ہر ایک سپاہی کو ہے قدر
پہنی جوہر کی قبا یوں کہ حسیں ہوگیا صدر
جس جگہ کھنچ گئی یہ تیغ بپا ہوگیا غدر
کہکشاں تیغِ ہلالی ہے تو قبضہ بھی ہے بدر
شوق کہتا ہے کہ منزل رہِ دشوار کی ہے
دل میں قبضہ کی جگہ ایسی ہی تلوار کی ہے

(۵۸)

اس کا ہر دل کو بھروسہ ہے، سہارا اس کا
جان لیتا ہے سکوت اس کا اشارہ اس کا
اس کا عاشق ہے ہلال اور ستارا اس کا
تیغ دریا ہے، تو قبضہ ہے کنارا اس کا
ہے یہ اک صحنِ چمن عرض بھی ہے طول بھی ہے
گل کھلا خوب کہ یہ شاخ بھی ہے پھول بھی ہے

(۵۹)

صفِ ہیجا کے قریب آتے ہی روکا رہوار
اس کی رفتار سے بھی بڑھ کے ہے اس کی رفتار
ذکر جس کا تھا ابھی بس وہی کھینچی تلوار
کھنچتے ہی تیغ کے ہونے لگے ناری فی النّار
جان لینے کے لئے خون کا پیاسا پہنچا
گرم بازاریٔ دوزخ کا بھی وقت آپہنچا

(۶۰)

تیغ نے ہرجسدِ بانیٔ شر کو کاٹا
کبھی سینے میں در آئی تو جگر کو کاٹا
کاٹ کر دل کو جھکی جب تو کمر کو کاٹا
کر کے گھر آنکھ میں پتلی کی سپر کو کاٹا
اک تلاطم سا بپا کفر کی راہوں میں ہوا
اور اندھیر زمانے کی نگاہوں میں ہوا

(۶۱)

آگ جنگل میں لگاتی تھی شرر بار ایسی
جھک کے ملتی تھی کلیجوں سے ملنسار ایسی
آنکھ جوہر کی لڑے جس سے طرفدار ایسی
ہاتھ میں ان کے رہے جو وہ ہو تلوار ایسی
ہوگئی ذہن نشین اس کی ہر اک خوبی بھی
اپنے ہی آپ میں ابھری بھی ہے اور ڈوبی بھی

(۶۲)

قاتلِ دہر بھی یہ تیغ ہے، سفاک بھی ہے
ہر ادا کہہ رہی ہے، تیز بھی، چالاک بھی ہے
عکس کہتا ہے یہ بجلی سرِ افلاک بھی ہے
ہے مزا، خونِ نجس پیتی ہے اور پاک بھی ہے
ہیں جو سنجیدہ سمجھتے ہیں اشارا اس کا
مل گیا ہے کسی دریا سے کنارا اس کا

(۶۳)

اس کے پانی کو ذرا سر سے گذر جانے دو
جس طرف فوج کا مجمع ہے ادھر جانے دو
اور جوہر کی ذرا زلف بکھر جانے دو
اس ادا پر کوئی مرجائے تو مرجانے دو
کوچۂ زخم کی جانب ہی قدم بڑھتا ہے
جان لیتی ہے تو کچھ اور بھی دم بڑھتا ہے

(۶۴)

کیوں ہزاروں کو تہہِ تیغ یہ تڑپاتی ہے
آج روتے ہوئے زخموں کو ہنسی آتی ہے
آگ اس تیغ کی جب سوئے فلک جاتی ہے
میں جلی جاتی ہوں، بجلی یہی چلاتی ہے
موت کہتی ہے کہ کیوں دل کی وہ نرمی نہ رہی
آج دوزخ کے شراروں میں بھی گرمی نہ رہی

(۶۵)

اِن کا منھ یاس سے سب بانیٔ شر دیکھتے تھے
گاہ رو روکے سوئے تیغِ دوسر دیکھتے تھے
اپنا دل دیکھتے تھے، اس کا جگر دیکھتے تھے
موت آتی تھی نظر ان کو، جدھر دیکھتے تھے
کہا قسمت نے بجا آج یہ بے حالی ہے
جاؤ سیدھے ابھی دوزخ میں، جگہ خالی ہے

(۶۶)

اب تو ان تیز نگاہوں کا اثر رہنے دے
چند ٹوٹے ہوئے دل، چند جگر رہنے دے
حالتِ فوج یوں ہی نوعِ دگر رہنے دے
جتنے باقی ہیں وہ جبریلؑ کے پر رہنے دے
زخم سب سینۂ ودل کے نہیں بھرنے والے
کس کو ڈھونڈے گی، رہیں گے جو نہ مرنے والے

(۶۷)

کبھی کاٹا کوئی پہلو، کبھی دل چاک کیا
پھر کے دیکھا نہ اُسے اِس نے جسے خاک کیا
تھا جو اک عمر کا قصہ اسے یوں پاک کیا
قوتِ دستِ جری نے اِسے چالاک کیا
تیغ اٹھی بھی ہے تو لڑنے کی قسم لے کے اٹھی
رگِ جاں پر کبھی ٹھیری کبھی دم لے کے اٹھی

(۶۸)

ہر جگہ پر تھے سروپا و جبیں کے ٹکڑے
انقلابوں سے کہیں پر تھے کہیں کے ٹکڑے
سب یہ تھے قلبِ بنِ سعد لعیں کے ٹکڑے
کردیئے تیغ نے مقتل کی زمیں کے ٹکڑے
بات ہی اور ہے گر کہیئے کہ کیا خاک اٹھی
گرد بھی اٹھی تو دامن کو کئے چاک اٹھی

(۶۹)

غالب آیا تھا جو فرزندِ امام ابن امامؑ
چاہے لشکر رہے لیکن ہو ہوس دل کی تمام
یہ بھی ہنستے ہیں جو ہنس دیتے ہیں سلطانؑ انام
باپ بیٹوں کی خوشی کا بھی یہی تھا ہنگام
ہے ہمیشہ سے وہی فضلِ خدا ساتھ ان کے
وہ تو لڑتے تھے ملک چومتے تھے ہاتھ ان کے

ساقیا دے دے شراب آج مری باری ہے
فیض ہر سمت ترا بحر صفت جاری ہے
ہجر میں نشہّ کا کیا ذکر، لہو طاری ہے
مئے ہے شیشے میں کہ دل میں کوئی چنگاری ہے
نہیں آیا کوئی آوارہ وطن یوں لٹ کے
بن گیا داغ کلیجے کا دھواں گھٹ گھٹ کے

(۷۱)

لاکھ جانیں ہوں تو اس تیرے تغافل کے نثار

دستِ نازک سے دیا اب کے جو شیشے کو فشار

خون دے دیں گی کلیجے کی رگیں بھی کئی بار

میرے چہرے کی طرف دیکھ لے اترا ہے خمار

ہاتھ سے اس کے ہوا دشمن جانی شیشہ

طاق پر بھول گیا رکھ کے جو دھانی شیشہ

(۷۲)

درد کا اس سے گلا جس نے کہ آرام دیا

جان بھی آگئی اس طرح کا پیغام دیا

آج آغاز ہی میں مژدۂ انجام دیا

مسکرا کر مرے ساقی نے مجھے جام دیا

لب تلک آج بہکتی ہوئی فریاد آئی

کس محل پر مجھے زخموں کی ہنسی یاد آئی

(۷۳)

نام مشہور ہے میرا بھی ترے نام کے ساتھ

ہے تعلق نگہِ مست کو بھی جام کے ساتھ

عمر کٹتی تھی کسی عہد میں آرام کے ساتھ

خون دوڑا تھا رگوں میں ترے پیغام کے ساتھ

قوتِ جذب بھی پتلی میں نہ تھی دم بھر کی

خوب گردش میں یہ تصویر کھنچی ساغر کی

(۷۴)

سن لے یہ بھی کسی غفلت کے اثر نے مارا

اٹھ کے پہلو سے مجھے دردِ جگر نے مارا

بند ہوکر مجھے میخانے کے در نے مارا

اُس طرف تو نے، اِدھر تیری نظر نے مارا

کھلتی کلیاں بھی گلِ زخم کی بو دینے لگیں

مرگیا میں جو رگیں دل کی لہو دینے لگیں

(۷۵)

دل کے کہنے میں ہیں اب تو ترے میخانہ کے مست

خون کی بوند جو دل تھا اسے ہوتی ہے شکست

ذہن میں آگئی تدبیر یہ اچھی سرِ دست

سرخ شیشوں کو چھپا دیں کہیں یہ بادہ پرست

خون گھٹ جائے گا دل کا ترے گھبرانے سے

اٹھیں گے آگ کے شعلے کبھی پیمانے سے

(۷۶)

ہم سے مستوں کا کوئی اور سہارا بھی نہیں

دیر سے تو نے محبت سے پکارا بھی نہیں

طاق سے شیشۂ رنگیں کو اتارا بھی نہیں

پاس کا شیشہ ہے یہ دور کا تارا بھی نہیں

حدِ الفت کو جہاندیدہ نظر پا ہی گئی

تو نے گر آکے پکارا تو ہنسی آ ہی گئی

(۷۷)

شوق کہتا ہے کہ پھر جامِ سفالی دے دے

دیکھ کر اب مرے چہرے کی بحالی دے دے

گردلائے تری وہ ہمتِ عالی دے دے

جام لبریز کوئی اور کوئی خالی دے دے

اک طلسم اور دکھا دوں ابھی میخانے میں

قوتِ جذب سے کھنچ آئے گی پیمانے میں

(۷۸)

چاہتا ہوں ترے الطاف برابر دیکھوں

پی کے پھر ترش نگاہوں سے مکرر دیکھوں

آنکھ بھر کر طرفِ شیشہ وساغر دیکھوں

پونچھ لوں منہ تو سوئے ساقیٔ کوثر دیکھوں

توبہ توبہ کہیں رکتی ہے ہنسی آئی ہوئی

آج تصویر کھنچے گی مری شرمائی ہوئی

(۷۹)

دل سے ہے دل کو تعلق یہ سنا ہے اکثر
رنگ لائے گا کبھی دل کے ترسنے کا اثر
جو مجھے چاہتا ہے وہ مرا ساقی ہے کدھر
شوق کہتا ہے کہ ہوگا وہ قریبِ کوثر
کون کہتا ہے کہ پھر ہوش میں میں آؤں گا
پی کے اک جام تصور سے پہنچ جاؤں گا

(۸۰)

کبھی دیکھا تھا تماشائے مقدر میں نے
قدر شیشے کی بھی کی دل کے برابر میں نے
کہیں رکھا تھا ابھی ہاتھ سے ساغر میں نے
دیکھا دیکھا اثرِ نشۂ کوثر میں نے
اثر جذب وکشش سے کہیں بارے پہنچا
اب یہ سنتا ہوں کہ کوثر کے کنارے پہنچا

(۸۱)

ساتھ دل کھول کے خوبیٔ مقدر نے دیا
کوئی صدمہ بھی نہ طولِ رہِ محشر نے دیا
مژدۂ سیرِ جناں کیا لبِ کوثر نے دیا
لے وہ کوثر سے بھرا ، وہ مجھے حیدرؑ نے دیا
کام امید پہ چلتا ہے ابھی رہنے دیں
اپنے پوتے کی لڑائی تو مجھے کہنے دیں

(۸۲)

مرتے ہیں تیری محبت میں یہ جینے والے
اب نکال ان کو جو ارمان ہیں سینے والے
حکم مستوں کو اگر دے تو قرینے والے
ایسے دیکھے ہی نہ ہوں گے کبھی پینے والے
متوجہ جو ادھر ہمتِ عالی کردیں
ایک ہی سانس میں کوثر کو بھی خالی کردیں

(۸۳)

لڑتے لڑتے یہ وہاں پہنچے کہ دریا تھا جہاں
دل میں یہ آیا کہ ہیں دھوپ میں سلطانِ زماں
تھم گیا وہ بھی، پسینہ تھا جو ماتھے سے رواں
کچھ توجہ بھی نہ فرمائی کہ دریا ہے کہاں
مصلحت اس میں بھی کچھ تھی جو دلیر آیا تھا
خونِ عباسؑ کی بو سونگھنے شیر آیا تھا

(۸۴)

کہا مرجاؤں اگر میں بھی تو پردہ رہ جائے
مٹ کے بھی صفحۂ عالم پہ یہ نقشہ رہ جائے
مجھ کو لڑنے کی نہ لشکر سے تمنا رہ جائے
ہائے ، عمو نہ رہیں اور یہ دریا رہ جائے
ملکِ عرش کو خالق کے ولی یاد آئیں
خیر اب آج لڑوں یوں کہ علیؑ یاد آئیں

(۸۵)

جو کہ خود مرتے ہیں دریا پہ انہیں کیا ماریں
دیو گر سامنے آئے تو اسد للکاریں
خاک دریا پہ ہے گر پیاس میں ہمت ہاریں
اس کی موجیں ہیں مرے دل کے لئے تلواریں
موج زن آج ہو پھر خونِ عدو کا دریا
اسی دریا میں ملا دوں میں لہو کا دریا

(۸۶)

یہ جو چاہیں تو ہے ممکن اسی دریا کا جواب
بحرِ خوں کی جو ہیں موجیں وہ سدا ہیں بیتاب
خاک اڑتی تھی جہاں، اب ہے وہاں عالمِ آب
دور کا بیں ہیں کہ ہیں خون کے دریا میں حباب
شرق سے غرب تلک دم میں یہ کیا خوب گیا
حد ہوئی اپنے پسینے میں فرس ڈوب گیا

(۸۷)

دل کی بیتابیوں سے شہؑ بھی قریں آپہنچے
دیکھنے جنگ کو سب شیرِ عریں آپہنچے
آسماں والے قریبِ شہؑ دیں آپہنچے
پر کہیں چھوڑ کے جبریلِؑ امیں آپہنچے
زور ہاتھوں میں وہ ان کے تھا، جو تھا حیدرؑ میں
کربلا میں یہ لڑے اور علیؑ خیبر میں

(۸۸)

دی درِ خیمہ سے فضہؑ نے یہ حضرت کو صدا
آپ کہہ دیجئے کہتی ہیں یہ بنت زہراؑ
جنگ خیبر میں لڑے تھے یونہی ضرغامِ خدا
منھ رہے میری طرف گرہوں یہ سرگرمِ وغا
لڑنے میں باپ جو ہاتھوں کی صفائی دیکھے
حسن چہرے کا کوئی، کوئی لڑائی دیکھے

(۸۹)

اپنے دادا کے انہیں نام کا ہر دم ہے خیال
چاہتے ہیں کہ کروں آخری اک حد کی جدال
آپ کے ہاتھ کی طاقت کا بھی معلوم ہے حال
دل سے جاتا نہیں عباسِؑ دلاور کا ملال
مدعا یہ ہے کہ لشکر کا قدم گڑ نہ سکے
باپ سے میرے کوئی بعد مرے لڑ نہ سکے

(۹۰)

ہیں یہ یکتائے جہاں، فخرِ زماں مثلِ پدر
حسن وصورت میں بعینہ ہیں یہی پیغمبرؐ
اُن کٹے ہاتھوں کا عباسؑ کے بھی کچھ ہو اثر
ابھی ذی رتبہ ہے ہمنامِ جنابِ حیدرؑ
اب سکتے ہیں ، پڑے فوجِ جفا میں ناری
چار جانب سے گھرے قہرِ خدا میں ناری

(۹۱)

کبھی ماتھے کا عرق پونچھ کے تولی تلوار
کبھی انگڑائی لی ، گہہ رخش پہ جھوما جرار
کبھی خود اپنی جوانی سے کہا ، تجھ پہ نثار
کبھی دریا کی ترائی میں اڑایا رہوار
تنگ دنیا ہے یہ حیرت دمِ مہمیز ہوئی
رخش کی ٹھوکریں کھائیں تو ہوا تیز ہوئی

(۹۲)

سات پردوں میں ہر اک چشم کی پنہاں ہے نظر
ڈر سے تحلیل ہوئے جاتے ہیں گرز و خنجر
میان کیا چیز ہے اک امن واماں کا ہے وہ گھر
جتنی تیغیں ہیں نکلتی نہیں ڈر سے باہر
لب تلک آنے میں رک رک کے نفس آتے ہیں
زخم بھی خون کی چادر میں چھپے جاتے ہیں

(۹۳)

جیسے ممکن ہی نہیں چرخ کے تاروں کا شمار
ویسے ہی اس کے بھی جوہر کا ہے گنتا دشوار
جس پہ دل سب کے تصدق، وہ ستم کی تلوار
ذوالفقار آئی جسے دیکھنے ایسی رودار
آئینہ بھی ہے وہ تلوار جو دی سرورؑ نے
اس میں منہ دیکھا ہے اٹھارہ برس اکبرؑ نے

(۹۴)

بولتا تھا جو اُدھر تیغ کی جھنکاروں سے رن
مضطرب ہو کے کھڑے ہوتے تھے سلطانِؑ زمن
پوچھتا تھا جو پسینہ کبھی وہ غنچہ دہن
شہؑ یہ کہتے تھے کہ حاضر ہے قبا کا دامن
حد ہوئی حد ہوئی ، کیوں جنگ میں کد ہے بیٹا
روک لو ہاتھ کہ یہ امتِ جد ہے بیٹا

(۹۵)

مدح بڑھ بڑھ کے یہ کرتے تھے شہؑ جن وبشر
تم نے دکھلا دیئے اس جنگ میں دادا کے ہنر
چھوڑ کر رن ابھی بھاگے گا یہ سارا لشکر
اب کے دوبار اگر کہہ دیا حیدرؑ حیدرؑ
ذہن اب لاش اٹھانے کے لئے جاتا ہے
ہم بھی حیدرؑ کو پکاریں گے وہ وقت آتا ہے

(۹۶)

بیچ میں فوج کے ہشیار وخبردار چلے
تم اسی طرح سوئے فوجِ ستمگار چلے
جس طرح سے اسدِ حیدرِؑ کرار چلے
کہیں اب صفحۂ عالم پہ نہ تلوار چلے
مطلبِ دل کسی سفاک کو کہنے نہ دیا
تم نے اک حال پہ دنیا کو بھی رہنے نہ دیا

(۹۷)

تھا یہ حیدرؑ کی لڑائی کا قرینہ بیٹا
پونچھو دامن سے بھی چہرے کا پسینہ بیٹا
عمر کا اب تو ہے طوفاں میں سفینہ بیٹا
ڈھال سے اپنی چھپائے رہو سینہ بیٹا
کوئی حامی جو نہیں ہے تو خدا ہے بیٹا
برچھیاں دیکھ کے دل کانپ رہا ہے بیٹا

(۹۸)

سن کے یہ روک لی تلوار کہا یاحیدرؑ
پلٹے خود اپنے مقدر کی طرح سے افسر
تھم گیا وہ بھی کہ جو بھاگ رہا تھا لشکر
سمجھے جبریلؑ امیں بھی کہ مرے بچ گئے پر
تیغ کے رکتے ہی حضرت پہ نئے حال کھلے
اس طرف رنج میں سیدانیوں کے بال کھلے

(۹۹)

مدحِ سرورؑ سے بہت دل میں ہوئے یہ مسرور
پیاس سے بات بھی کرنے کا نہیں تھا مقدور
ہائے افسوس قریب آگئے وہ بانئ زور
تبر و تیغ سے اعضائے بدن ہوگئے چور
رحم ہم شکلِ پیمبرؐ پہ نہ آیا افسوس
ایک کو دوست نہ دو لاکھ میں پایا افسوس

(۱۰۰)

یہ اکیلے تھے ادھر بانئ شر لاکھوں تھے
تیر اور گرزِ گراں بار و تبر لاکھوں تھے
اک مسافر کے لئے خوف وخطر لاکھوں تھے
دل میں ارمان بھی ہنگامِ سفر لاکھوں تھے
چار جانب سے وہ سب فوج دغل آپہنچی
ماں سے باتیں نہ ہوئی تھیں کہ اجل آپہنچی

(۱۰۱)

سانس رک جاتی تھی پڑتی تھی جو دل پر تلوار
سینہ تیروں سے تو پہلو تھے سنانوں سے فگار
گردنِ رخش سے لپٹا ہوا تھا یہ جرار
فوج میں لے گیا دو وجہوں سے ان کا رہوار
یاد سب کو ہے رسولِؐ عربی کی صورت
رحم آئے گا جو دیکھیں گے نبیؐ کی صورت

(۱۰۲)

دے کے آواز پدر کو وہ حق آگاہ گرا
خودبخود درد کلیجے میں شہؑ دیں کے اٹھا
کان میں پہنچی جوں ہی گود کے پالے کی صدا
کہا حضرتؑ نے، اس آواز کے بابا ہو فدا
چین میرا دلِ مضطر نہیں لیتا بیٹا
میری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا بیٹا

(۱۰۳)

پہلے ہی سے تھا جہاں، آپ کی آنکھوں میں سیاہ
ٹھوکریں کھاتے تھے گر گر کے امامؑ ذی جاہ
دردِ دل ساتھ تھا اور کوئی نہیں پاس تھا آہ
خون ٹپکا ہوا اکبرؑ کا بتانے لگا راہ
اور جانب کو نہ روتے ہوئے اب جایئے آپ
نقشِ پا جھک کے یہ کہتے تھے اِدھر آیئے آپ

(۱۰۴)

بی بیاں سر پہ اڑانے لگیں اس سمت کو خاک
اس طرف شہؑ نے گریبانِ قبا کرلیا چاک
قتل کر کے انہیں مسرور ہوئے تھے سفاک
ان کی تکبیروں کی آواز گئی تا افلاک
بات یہ وہ تھی کہ جو روح کو تڑپاتی تھی
علی اکبرؑ کی اذاں شاہؑ کو یاد آتی تھی

(۱۰۵)

دی درِ خیمہ سے زینبؑ نے یہ گھبرا کے صدا
آپ کی گریہ وزاری پہ مری جان فدا
روکئے دل کو ذرا ، آپ ہیں پابندِ رضا
عادتِ صبر تو ہے آپ کا حصہّ بھیا
کہا حضرت نے مقدر پہ مجھے حیرت ہے
لاش اکبرؑ کی اٹھانے کی بھی کیا عادت ہے

(۱۰۶)

ہائے ناشاد وجواں، غنچہ دہن، رشکِ چمن
انبیاؑ پر بھی تو گذرے نہیں یہ رنج ومحن
اپنی چادر کا بنے گر تو انہیں دیجو کفن
میں سناں کھینچوں گا یا لاش اٹھاؤں گا بہن
ہم تو دل کھول کے لاشے پہ نہیں روسکتے
کانپتے ہاتھوں سے دو کام نہیں ہوسکتے

(۱۰۷)

پہنچے فرزند کے لاشے پہ ادھر شاہِ انام
آپ کے ڈر سے ہٹے پاس سے وہ بدانجام
عرش ہلنے لگا اس درد سے کچھ روئے امامؑ
آخری وقت میں اکبرؑ نے کیا جبکہ سلام
ہاتھ دو بار کلیجے پہ بھی مارا شہؑ نے
سرِ اقدس سے عمامہ بھی اتارا شہؑ نے

(۱۰۸)

کہا حضرت نے کہ دیتے ہو کوئی ماں کو پیام
اس کو سنتے ہو جو خیمے میں بپا ہے کہرام
کر سکے نزع میں یہ اچھی طرح سے نہ کلام
خیر دقت سے کہا، کہئے گا گھر بھر کو سلام
خط اگر آئے گا صغرٰؑ کا تو کیا لکھیئے گا
یاد کر کے مری جانب سے دعا لکھیئے گا

(۱۰۹)

اس طرف لاشۂ اکبرؑ پہ تھے شہؑ گریہ کناں
اس طرف شہؑ کے حرم راہ میں تھے اشک فشاں
سچ ہے انساں کا بھلا موت سے چارہ ہے کہاں
دم بھی مشکل سے نکلتا ہے جو ہوتا ہے جواں
بخششِ امتِ عاصی کی دعا کرتے تھے
آپ اس وقت میں بھی شکرِ خدا کرتے تھے

(۱۱۰)

ایک کے دل کو بھی اس وقت نہ تھی ضبط کی تاب
مرگِ اکبرؑ سے ہر اک قلب کی حالت تھی خراب
رہ گئے دیکھ کے گردوں کو شہؑ عرش جناب
مل گیا خاک میں کیسا علی اکبرؑ کا شباب
شہؑ کو تکلیف تھی راحت تھی زمانے کے لئے
یا علیؑ کہہ کے اٹھے لاش اٹھانے کے لئے

(۱۱۱)

دیکھ کر زخموں کو صد چاک ہوا قلب حزیں
چرخ تھراتا تھا ہلتی تھی جو مقتل کی زمیں
پاؤں رکھتے تھے کسی جا پہ تو پڑتا تھا کہیں
لے کے لاشے کو چلے گھر کی طرف خسرودیں
کبھی میت کو کبھی چرخِ بریں کو دیکھا
راہ میں زینبؑ ناشاد وحزیں کو دیکھا

(۱۱۲)

کہا فرمایئے زندہ تو ہے یہ رشک قمر
کہا ہاں، ہم تو ہیں زندہ، پہ نہیں ہیں اکبرؑ
کہا زینبؑ نے یہ چہرے کی بلائیں لے کر
لگ گئی اس کی جوانی پہ زمانے کی نظر
شوق ہے گھر میں یہ آوارہ وطن لے جائے
بھائی دے دیجئے لاشہ، کہ بہن لے جائے

(بقیہ صفحہ ۶۵ رکا۔۔۔۔۔۔۔۔)

(۱۳۵)

مثالِ مہرِ قیامت ہے نیزہ پر سرِ شاہؑ
میں دیکھ سکتی نہیں ہوں نہیں ہے تابِ نگاہ
سحابِ غم کی گھٹا چھا گئی یہ کیسی آہ
کمال کو بھی ابھی تو نہ پہنچا تھا اے ماہ
ابھی نہ دن تھے جہاں سے تمہاری رحلت کے
گہن میں آ گیا تو اے قمر امامت کے

(۱۳۶)

بیانِ حضرتِ زینبؑ بس اب نہ کر فاخرؔ
ہے ہاتھ باندھے طبیعت بھی گو تری حاضر
یہ اختصار نہیں عاجزی سے، ہوں قادر
ہو طولِ نظم نہ احباب کے گراں خاطر
یہ فیض، طبع کا ہے یا یہ فیض ماہرؔ ہے
پر اب معینِ سخن ہے، نہ کوئی ناصر ہے

❁❁❁
❁❁